اُردو (لازمی)	انٹر (پارٹ-II)	پرچہ II: (انشائی طرز)
وقت: 2.40 گھنٹے	2020ء (پہلا گروپ)	کل نمبر: 80

(حصہ اوّل)

سوال :2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,1,8)

زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی   کتنا اونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی
عمر بھر صحرا نوردی کی، مگر شادی نہ کی   قیس دیوانہ بھی تھا، کتنا سمجھدار آدمی

جواب : حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: آدمی   شاعر کا نام: سید ضمیر جعفری

تشریح:

ان اشعار میں سید ضمیر جعفری فرماتے ہیں کہ حضرت انسان نفسانفسی کی دوڑ میں بھاگتے اور زندگی کے معیار کو بلند سے بلندتر کرنے کے چکروں میں روز بروز خود زندگی سے دور ہوتا چلا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ زندگی اسے تلاش کرتی رہ گئی' لیکن وہ اوپر سے اوپر جانے کی دھن میں مگن اتنا اوپر چلا گیا کہ حقیقی زندگی سے اس کا ناطہ ہی منقطع ہو گیا۔ اس کی ہر چیز میں تصنع' اس کی ہر ادا میں بناوٹ اور اس کی حرکت پر مصنوعی پن اتنا غالب آ گیا کہ قدرتی اور حقیقی زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہا۔

دوسرے شعر میں قیس تلمیح' اور دیوانہ اور سمجھ دار میں صنعتِ تضاد ہے۔ عرب کے ایک قبیلے بنو عامر کے ایک شہزادے کی داستان زبان زدِ عام ہے' جو لیلیٰ نام کی ایک خاتون پر عاشق ہو گیا۔ عشق کا بھوت سر پہ ایسا سوار ہوا کہ اس نے تمام عمر جنگلوں اور ویرانوں میں لیلیٰ کو تلاش کرتے گزار دی۔ اسی شدید دیوانگی کی بنا پر وہ مجنوں (یعنی دیوانہ) کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہوا۔ اس کی دیوانگی اور دشت نوردی کو علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔

سید ضمیر جعفری نے قیس کی صحرا نوردی اور دیوانگی سے ایک نیا نکتہ نکالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیس کوئی دیوانہ یا پاگل شخص نہیں تھا وہ اصل میں نہایت ہوشیار اور کایاں آدمی تھا اور شادی کے بعد پیدا ہونے والے ازدواجی مسائل سے پوری طرح آگاہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی پوری زندگی دشت نوردی اور سیر سپاٹے میں گزار دی' لیکن شادی کے چکر میں نہیں پھنسا۔ اس لیے جو لوگ قیس کو دیوانہ یا پاگل قرار

دیتے ہیں وہ منگنی پر ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ شادی کے بعد تو عشق کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔

(ب) درج ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,3,3,3)

وائے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مُجھ کو — آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنّا مت پوچھ — عیدِ نظّارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط — تُو ہو اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2019ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 2 (ب)۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- سیاق وسباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (1,1,3,10)

(الف) عالم کا رنگِ بے رنگ دیکھ کر تدبیر اور مشورہ دو تجربہ کار دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور ایک سیب کے درخت میں جُھولا ڈالے الگ باغ میں جُھولا کرتے تھے' البتہ جو صاحبِ ضرورت اُن کے پاس جاتا' اُسے صلاح مناسب بتا دیا کرتے تھے۔ یہ سب مل کر اُن کے پاس گئے کہ برائے خدا کوئی ایسی راہ نکالیے جس سے احتیاج وافلاس کی بلا سے بندگانِ خدا کو نجات ہو۔

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 3 (الف)۔

(ب) ایسٹ ویسٹ سینٹر اور ہوائی کی یونیورسٹی میں یوں تو ارضی قربت ہے لیکن ازلی رقابت بھی ہے۔ کسی حد تک یہ رقابت صحت مند بھی ہے۔ امریکہ کے بہترین پروفیسر اور اعلیٰ ذہن سردی گرمی لیکچر کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ طرح طرح کی نمائشیں' فلم' جشن منائے جاتے ہیں۔ اس کی جدید عمارات کے سامنے لمبی سے لمبی موٹریں جو آدھی طلبہ کی اور آدھی پروفیسروں کی ہوتی ہیں' امریکہ کی افراط کا صحیح ثبوت ہیں۔

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: ہوائی — مصنفہ کا نام: بیگم اختر ریاض الدین

سیاق وسباق:

ہوائی کے اپنے سفر کے بارے میں بیگم اختر ریاض الدین بتاتی ہیں کہ میرے میاں ایک کورس میں شرکت کے لیے دو تین ماہ پہلے ہوائی جا چکے تھے۔ مجھے بھی ان کے پاس جانا تھا' اس لیے میں نے گھر

کا تمام سامان گیراج میں بند کیا اور اپنی چھوٹی بیٹی کے ہمراہ کراچی کے لیے روانہ ہوگئی۔ یہاں سے کلکتہ، ہانگ کانگ اور ٹوکیو ہوتے ہوئے ہم ہوائی کے دارالحکومت ہونولولو کے ایئرپورٹ پر پہنچے تو میرے میاں ہمیں لینے کے لیے وہاں موجود نہ تھے۔ بڑی مشکل سے وہ ہمیں ہوائی کے ایسٹ ویسٹ سنٹر میں ملے، جہاں سے ہم گھر گئے اور اگلے دن ہوائی کی سیر کو نکلے۔ چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہوائی کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ فطری حسن سے نواز رکھا ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی بھی سمندری علوم کے سلسلے میں دنیا بھر میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہاں پر امریکی حکومت کا قائم کردہ ایسٹ ویسٹ سنٹر بھی ہے، جہاں پوری دنیا سے سکالر ایک محدود مدت کے لیے کورس میں شرکت کے لیے آتے ہیں اور آپس میں میل جول کے ذریعے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

تشریح:

بیگم اختر ریاض الدین اردو ادب کی بہترین مصنفہ ہیں، جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پاکستان کی پہلی خاتون سفرنامہ نگار ہیں۔ قوتِ مشاہدہ تیز ہونے کی وجہ سے سفر کے دوران چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بھی اس عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے کہ سفرنامہ پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آنکھوں دیکھا حال ہے۔ مصنفہ نے جہاں سان فرانسسکو کے ثقافتی، تہذیبی، معاشرتی اور علمی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، وہاں پھولوں بھری یونیورسٹی اور مشرق و مغرب کے معاشرتی مغلوبہ ایسٹ ویسٹ سنٹر کی بھی منظر کشی کی ہے۔ ان کے بقول ایسٹ ویسٹ سنٹر اور ہوائی یونیورسٹی ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں، لیکن ان میں ہمیشہ سے رقابت بھی رہی ہے۔ یہ رقابت کسی حد تک صحت مند ہے، کیونکہ یہ علمی رقابت ہے۔ ہوائی کا ایسٹ ویسٹ سنٹر، جہاں مشرق و مغرب کے سکالرز کو اکٹھا کیا جاتا ہے، علم و ادب کا عمدہ مرکز ہے۔ امریکہ کے بہترین پروفیسر اور اعلیٰ ذہن پورا سال لیکچر کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ سنٹر میں طرح طرح کی نمائشیں اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور جشن منائے جاتے ہیں۔ اس کی جدید عمارت کے سامنے طلبہ اور پروفیسرز کی لمبی لمبی کاریں کھڑی رہتی ہیں، جو امریکہ کی افراط کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یعنی لوگوں کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہے۔

سوال 4:- درجِ ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے: **(1,9)**

(الف) نواب محسن الملک　　　(ب) قرطبہ کا قاضی

جواب: (الف) نواب محسن الملک

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 4 (الف)۔

(ب) قرطبہ کا قاضی

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (ب)۔

سوال: 5- مولانا الطاف حسین حالیؔ کی نظم ''اسلامی مساوات'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2017ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 5۔

سوال: 6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) طلبہ میں منشیات کا رجحان' اسباب اور روک تھام

(ب) کھیلوں کی اہمیت

(ج) معاشرے میں عدم برداشت کی وجوہات اور روک تھام

جواب: (الف) طلبہ میں منشیات کا رجحان' اسباب اور روک تھام

وطنِ عزیز پاکستان کو اس وقت جن اہم' پیچیدہ اور پریشان کن مسائل کا سامنا ہے' منشیات کا خاتمہ اور ان سے نجات ان میں سے ایک ہے۔ پاکستان کی بقاو سلامتی' ترقی و خوش حالی اور مستقبل کا انحصار بڑی حد تک اس امر پر ہے کہ ہم منشیات اور اسی طرح کے دیگر مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوتے ہیں؟

منشیات میں تمام نشہ آور چیزیں ہیں' جیسے: شراب' بھنگ' چرس' افیون' مارفین' ہیروئن' الکوحل اور تمباکو۔ نشے کے عادی افراد اپنے ماحول' اپنی عادات' ضروریات اور وسائل کے مطابق نشہ آور چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ نہ صرف پاکستان' بلکہ پوری دنیا میں طلبہ میں منشیات کا رجحان کئی سالوں سے مسلسل فروغ پذیر ہے۔ چند سال پہلے چرس نوشی کی وبا ایک بڑا مسئلہ تھا' لیکن اب ہیروئن کا استعمال اس سے بھی بڑا اور خطرناک مسئلہ بن چکا ہے۔ ابتدا میں تو اونچے طبقے کے طلبہ میں سگریٹ اور چائے کے ذریعے ہیروئن کے استعمال کا رجحان پیدا ہوا' مگر اب یہ لعنت متوسط طبقے بلکہ نچلے طبقے میں بھی سرائیت کر چکی ہے۔ ہیروئن انتہائی مہنگا نشہ ہے۔ ایک کلوگرام ملاوٹی ہیروئن کی قیمت پاکستان میں ایک لاکھ روپے ہے۔ ویسے مارکیٹ میں نشے کے لیے طرح طرح کی مہلک دوائیں مل جاتی ہیں' مثلاً: ایسیفٹی مائن' جسے پاکستان میں ہزاروں لوگ بالخصوص طالب علم' ٹرک ڈرائیور اور وکلا استعمال کرتے ہیں۔ یہ گولیاں میتھوڈین' ڈیپاکسن' بیزنڈرین اور ڈیکسٹورین کے نام سے بازاروں میں سستے داموں دستیاب ہیں۔ یہ طبیعت میں جوش' اُمنگ اور تیزی پیدا کرتی ہیں۔ کھانے اور سونے کی خواہش مٹا دیتی ہیں۔ زیادہ

خوراکوں سے مریض شکی مزاج، غصیلا اور تُند خُو ہو جاتا ہے۔ پژمردگی، جھلاہٹ اور مایوسی بڑھ جاتی ہے۔ وہ فضول باتیں کرتا رہتا ہے۔ یہ ہیروئن سے سو گنا زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔ جسم سے قوتِ مدافعت بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ حافظہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مہینوں صرف ہوتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام نشہ آور چیزوں کا استعمال صحتِ انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔ اس سے جگر، پھیپھڑے، گردے اور دیگر اعضائے رئیسہ متاثر ہوتے ہیں۔ پھر اس سے نشہ باز جنسی بے راہ روی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ جسمانی بربادی کے علاوہ گوناگوں نفسیاتی اور ذہنی بیماریوں اور خلفشار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس طالبعلم کو نشے کی لت پڑ جائے وہ نشہ جاری رکھنے کے لیے تمام اخلاقی اور قانونی حدود کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ تعلیم سے کوتاہی، گھریلو فرائض سے غفلت، بے راہ روی، قانون شکنی اور جرائم کا ارتکاب اُس کے لیے معمولی باتیں ہیں۔

اگر ہم پاکستانی معاشرے کے حوالے سے صورت حال کا جائزہ لیں تو اس میں شبہ نہیں کہ وطنِ عزیز میں اخلاقی گراوٹ کا ایک بڑا سبب منشیات کی وبا ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرتی مسئلہ بن چکا ہے، جس سے طرح طرح کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ کسی معاشرے میں منشیات کا وجود اس گھن کی طرح ہے، جو لکڑی کو آہستہ آہستہ کھوکھلا کرتا چلا جاتا ہے۔ دراصل منشیات کے مہلک اثرات فردِ واحد یا اس کے خاندان تک محدود نہیں رہتے، بلکہ وہ پورے معاشرے اور ملک کے سیاسی، معاشرتی نظام کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ سمگلنگ، بدعنوانی، رشوت ستانی، قانون شکنی، فواحش کی کثرت اور عیش و عشرت کی زندگی اسی منشیات کا شاخسانہ ہے۔ رفتہ رفتہ ملک کا پورا سیاسی اور اقتصادی ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور نظمِ حکومت تلپٹ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ملک کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس لعنت سے کیسے نجات حاصل کی جائے؟ اس کے خاتمے کے لیے بڑی حکمت، تدبر اور سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

1- سب سے پہلے ہمیں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ ''پرہیز علاج سے بہتر ہے'' کا مفہوم یہی ہے کہ ہم ان اسباب کا سدِباب کریں، جو منشیات کے فروغ کا سبب بن رہے ہیں۔ ہمارا تشخص اور ہماری انفرادیت دینِ اسلام ہے۔ اسلام کے لازوال اور ابدی اصول ہر طرح کی برائی اور خرابی کا بہ آسانی اور بخوبی تدارک کر سکتے ہیں۔ اسلام نے ہر طرح کی منشیات اور مسکرات کو حرام قرار دیا ہے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: کل شراب اسکر فھو حرام (ہر نشہ آور مشروب حرام ہے)۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہود اور ہنود نے انتقامی طور پر پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے طلبہ میں منشیات کو فروغ دینے میں خاصی سرگرمی دکھائی ہے۔ وہ ہماری اخلاقی اقدار و مذہبی روایات کے قلعے میں منشیات کے ذریعے نقب لگانا چاہتے ہیں۔ تاکہ اُمتِ مسلمہ کی

اصل طاقت کو ختم کر سکیں۔ اس کے مقابلے کے لیے بھی مذہب ہی ہمارے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

2- پورے ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے منشیات کے خلاف ایک بھرپور، منظم اور مسلسل مہم چلانی چاہیے۔ اس سلسلے میں تمام ذرائع ابلاغ (ریڈیو، ٹی وی، سیاسی و سماجی اور پیشہ ورانہ تنظیموں کے پلیٹ فارم اور سکول کالج وغیرہ) کو کام میں لانے کی ضرورت ہے۔

3- سگریٹ نوشی ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اسے لوگوں کی بڑی تعداد نے ذہنی طور پر قبول کر لیا ہے۔ یہ دیگر منشیات تک پہنچنے کا پہلا زینہ ہے۔ سگریٹ نوشی بذاتِ خود سخت نقصان دہ ہے، مگر یہ قبیح عادت دیگر منشیات کے استعمال اور ترغیب کے لیے خشتِ اول کا کام بھی دیتی ہے۔ ایک امریکی ماہر کی رائے میں جو بچے سگریٹ پیتے ہیں وہ ہیروئن، کوکین اور مارفین تک بڑی آسانی سے پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا تمباکو کے زیرِ کاشت رقبے کو بتدریج کم کرنے کی ضرورت ہے؛ تمام دفتروں، پبلک مقامات، جہازوں، ریلوں، بسوں اور ویگنوں اور ٹی وی کے ڈراموں میں سگریٹ پینے پر مکمل پابندی ضروری ہے۔

4- بے روزگاری بھی منشیات کے پھیلاؤ کا ایک سبب ہے۔ فارغ اور بے کار نوجوان ذہنی طور پر بے چینی، پراگندگی، اضطراب، سرکشی، بے مقصدیت اور سنگ دلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ منشیات کے سوداگر ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور وہ ان کی زندگی کے خلا کو کسی نشے کے ذریعے پُر کرنے کے راستے پر لگا دیتے ہیں۔ اس طرح تعلیم یافتہ نوجوان بھی تو کمیونزم کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور کبھی مغربی عقل پرستی اور فکر کی بلا حدود آزادی کی چکا چوند سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ انھیں کسی نہ کسی سطح پر روزگار فراہم کیا جائے۔ اس سلسلے میں مؤثر منصوبہ بندی اور حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔

5- اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ والدین خاندانی اور گھریلو نظام کو بہتر بنائیں۔ بچوں اور لڑکے، لڑکیوں کے لیے ایسی فضا اور ماحول پیدا کریں کہ وہ زیادہ تر وقت گھر ہی میں گزاریں۔ انھیں مثبت اور تعمیری سرگرمیوں کی طرف راغب کیا جائے اور جہاں کوئی خرابی نظر آئے تو فوری طور پر اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس کا متبادل بھی مہیا کیا جائے۔ اس طرح بچے اپنے بڑوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مانوس ہوں گے، اور رفتہ رفتہ کوئی ایسا کام کرنے میں پریشانی محسوس کریں گے، جو بڑوں یا والدین کو ناپسند ہو۔ انھیں کمپیوٹر وغیرہ سکھا کر بھی مصروف رکھا جا سکتا ہے۔

6- اگر ہم واقعی اپنی نوجوان نسل کو منشیات سے بچانا چاہتے اور اس لعنت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی طبی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی خرابیوں سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمارے حکمران اور بالادست

طبقوں (وزرا، ممبرانِ اسمبلی، جاگیرداروں، صنعت کاروں، بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں، حکومت کے اعلیٰ افسران) کو اپنے طور طریقے بدلنے ہوں گے۔ پاکستان کے موجودہ حالات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ منشیات کی سمگلنگ میں بالا دست طبقے کے بعض افراد ملوث ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال کی اصلاح کیے بغیر منشیات کا خاتمہ محض خواب و خیال رہے گا۔

7- منشیات کے خلاف معاشرے کے حساس، درد مند اور محبِ وطن افراد کو بھرپور مہم چلانی چاہیے۔ تاکہ منشیات کی پشت پناہی کرنے والوں پر سخت دباؤ ڈالا جاسکے۔ جب کبھی سمگلنگ کا کوئی واقعہ پیش آئے تو اصل مجرموں کو سامنے لانے اور انھیں سزا دینے کا مسلسل مطالبہ کرتے رہنا چاہیے۔

منشیات کی لعنت کسی ایک ملک تک محدود نہیں، چنانچہ دیگر ممالک خصوصاً مغربی ممالک میں اس کے انسداد کے لیے بہت سی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ہمیں اپنے حالات اور ضروریات کے مطابق ان سے بھی تعاون لینا چاہیے۔ بہر حال جس طرح بھی ممکن ہو، اس لعنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینا چاہیے اور یہ تبھی ممکن ہو گا کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سادگی، پاکیزگی اور دیانت کا رویہ اختیار کریں۔ اگر ہم مجموعی طور پر تو منافقت، عیاشی، فضول خرچی، نمود و نمائش اور اہلِ مغرب کی نقالی میں مبتلا رہیں، اور اس کے ساتھ منشیات سے بھی چھٹکارا پانا چاہیں، تو یہ ممکن نہ ہو گا۔

(ب) کھیلوں کی اہمیت

کھیل اگرچہ بچوں کی دلچسپی کی چیز ہے، مگر جب اسے جوان اپناتے ہیں تو یہ کھیل ملکی شہرت اور دنیا کے اندر قومی نمائندگی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہاکی کو دیکھیں پاکستان نے اسے قومی سطح پر اپنایا ہے تو دنیا بھر میں اس کی شہرت کو چار چاند لگے ہیں۔ پھر عالمی فتح کا سہرا پاکستانی ہاکی ٹیم کے سر ہے اور ہم اس پر جتنا فخر کریں، کم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہاکی میں پاکستان نے بے نظیر کھلاڑی پیدا کیے ہیں۔ جرمنی اور ہندوستان کے علاوہ ہالینڈ اور آسٹریلیا کی ہاکی ٹیمیں بھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں۔ دنیا میں جو خوبصورت کھیل پاکستانی کھلاڑیوں نے پیش کیا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انگریزوں کے برِصغیر میں آنے سے قبل اس کھیل کو مسلمانوں نے کبھی نہ اپنایا تھا، اب اس کھیل کو قومی کھیل ہونے کا شرف حاصل ہے اور پاکستان نے اس کھیل کو نمایاں ترقی دی ہے۔ ویسے کرکٹ، فٹ بال، بیڈمنٹن، والی بال، لانگ ٹینس، باسکٹ بال اور ٹینس وہ کھیل ہیں، جو عالمی سطح پر کھیلے جاتے ہیں۔ یہ کھیل پاکستان میں بھی رائج ہیں، مگر جہاں تک کھیلوں کے مقامی ہونے کا تعلق ہے پاکستان میں کبڈی، گلی ڈنڈا وغیرہ ہی کا رواج زمانہ قدیم سے ہے۔ ایرانیوں کی آمد سے چوگان یعنی پولو کا رواج ہوا تھا، جدید کھیل تو انگریزوں ہی کے آنے سے اور رہنے سے زندگی میں داخل ہوئے۔ جہاں تک کھیلوں کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

انسان کو فطری طور پر کھیل سے رغبت ہے۔ کھیلنا کودنا جب تک انسان کی عادات کا حصہ رہتا ہے، اس میں چستی اور تندرستی برقرار رہتی ہے۔ جوں ہی انسان کھیل سے جی چراتا ہے، اس کو کئی عارضے لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو بلڈ پریشر ہے، کسی کو شوگر ہو گئی ہے، کوئی تبخیر کا مریض ہے اور کوئی کھانسی اور نزلے کا شکار ہے۔ اگر انسان باقاعدہ طور پر کھیل کو اپنا مشغلہ بنائے اور ہر شام ایک دو گھنٹے کسی ٹیم کے باقاعدہ رکن کے طور پر کھیل میں حصہ لے تو یقینی ہے کہ اس کو کسی قسم کا عارضہ لاحق نہ ہو گا۔ دوسری صورت میں انسان کا بدن عوارض کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور بے شمار لوگ ان امراض کی شدت کے نتیجے میں چل بستے ہیں یا ہسپتالوں میں وبال جان بنے رہتے ہیں۔

انسانی زندگی کی ضروریات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے حصول کے لیے آج کے دور میں انسان کو سارا دن کام کرنا پڑتا ہے۔ اکثر لوگ کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، دوسرے صبح سے شام تک دفاتر میں موجود رہتے ہیں۔ طالب علم حصولِ علم کے سلسلے میں دوپہر تک کالجوں اور سکولوں میں رہتے ہیں۔ یہ سب لوگ اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کے ابدان کو تفریح میسر آئے، یہ لوگ اگر شام کے وقت مل جل کر کوئی ایک کھیل کھیلیں تو ایک طرف ان کی روح کو سکون و فرحت نصیب ہو گی، دوسری جانب ان کے ابدان سارے دن کی تھکاوٹ کی وجہ سے معطل ہونے سے بچ سکیں گے۔ ان میں چستی اور بیداری کے باعث توانائی اور صحت کا رجحان بڑھے گا۔ دردِ سر، کمر درد اور اعصابی درد سے نجات ملے گی اور رات کی نیند میں سکون گا۔

یہ کھلاڑی ہی ہے جو بہترین نظم و نسق، ایثار اور قانون کی پابندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جب پوری قوم کھیل میں حصہ لے گی تو اس کی اجتماعی زندگی میں ایثار، نظم اور قانون کا احترام جنم لے گا۔ جس سے قومی زندگی میں خوش طبعی اور توانائی یعنی صحت مند رویے آ جاتے ہیں، جو اچھی قوموں کا شیوہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح محلے اور گھروں میں ہر سربراہ کی عزت اور اس کے حکم کی تعمیل ہو گی، جس سے قومی سطح پر ایک خاص قسم کی تنظیم دکھائی دے گی۔ یہ بدنظمی جو ہماری زندگی کا وتیرہ خاص ہے، محض اس لیے ہے کہ ہم نے کھیل کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں داخل نہیں کیا اور کھیل کو ایک خاص طبقے کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

کھیل سے ضبطِ نفس اور قوتِ برداشت جنم لیتی ہے۔ انسانی اعصاب مضبوط، فہم و فراست میں گہرائی اور بصیرت میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ روح میں کشادگی اور تازگی کو دخل ہوتا ہے۔ بصارت میں اضافہ ہوتا ہے، جسم متوازن اور سڈول بنتا ہے۔ انسان کھیل میں دلچسپی لے تو اسے فرسودہ کھیل تماشوں مثلاً فلم بینی اور رقص وغیرہ کی محفلوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ کھیل انسانی زندگی کا بڑا صحت مند شعبہ ہیں۔ کھیل کے حقائق انسانی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ کھیل سے تزکیۂ نفس بھی ہوتا ہے۔ فاسد خیالات سے ذہن و قلب کو نجات ملتی ہے اور صحت مند خیالات قلب و نظر میں سما جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کھیل کو

انسانی زندگی میں گراں قدر اہمیت حاصل ہے۔

(ج) معاشرے میں عدم برداشت کی وجوہات اور روک تھام

عدم برداشت کیا ہے؟

عدم برداشت ایک ایسی دماغی کیفیت ہے جہاں کوئی انسان ہر چیز ہر ذی روح اور ہر واقعہ کو صرف ایک ہی زاویہ سے دیکھتا ہے اور صرف اپنے آپ کو درست سمجھتا ہے۔ یہ کیفیت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس مرض کا شکار انسان اپنے خلاف یا اپنے خیالات یا عقائد کے خلاف ہر آدمی کو کافر سمجھ کر اسے قتل کرنا عین عبادت سمجھتا ہے۔ یہ برداشت ہی ہے جو انسان کو مہذب بناتی ہے اور زندگی کے تمام حالات میں پیش قدمی کرنے کی صلاحیت کو برقرار رکھتی ہے۔

عدم برداشت کے اثرات:

معاشرے کی عمارت اخلاقیات' برداشت' رواداری اور محبت کے ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے اور جب یہ خصوصیات سماج سے رخصت ہو جائیں تو وہ تباہی کی طرف تیزی سے گامزن ہو جاتا ہے۔ ایک پُرامن معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے نظریات کو برداشت کیا جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں برداشت کی روایت دم توڑتی جا رہی ہے اور یہیں سے فسادات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان فسادات کی بوچھاڑ سے بدامنی وجود میں آتی ہے' جو مخدوش حالات کو جنم دیتی ہے۔ معاشرے میں ترقی کا عمل رک جاتا ہے اور وہ تباہی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ عدم برداشت ہمیں اس نہج پر لے آئی ہے کہ آج ہمیں اپنے آگے باقی سب جاہل لگتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق' جس معاشرے میں محبت اور خیر سگالی کی جگہ انتقام اور نفرت پا لیتی ہے وہاں صحت اور شخصیت دونوں ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

عدم برداشت کی وجوہات:

جہالت یا علم کی کمی:

معاشرے کی بنیادی اکائی فرد ہے۔ فرد نے ہی معاشرے کی تشکیل کرنی ہے۔ معاشرے میں موجود ہر فرد معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ بذاتِ خود اس کی تعمیر و ترقی یا تباہی کا باعث بنتا ہے۔ ایک فرد کو اس کے معاشرے کا نظامِ تعلیم علم کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اور اسے تربیت دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تعلیم یافتہ لوگ کم ہیں اور جو تعلیم یافتہ ہیں' ان کو ایسا نظامِ تعلیم یا نصاب میسر نہیں آیا' جو اِن میں عدم برداشت اور رواداری پروان چڑھا سکے۔ لوگ جہالت اور کم علمی کے باعث عدم برداشت جیسے فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

غربت اور بے روزگاری:

غربت اور بیروزگاری ایک بہت بڑی سماجی برائی ہے۔ درحقیقت یہ سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ غریب اور بے روزگار شخص بے چینی اور بے قراری میں مبتلا ہو کر ناجائز طریقوں سے اپنی زندگی گزارنے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ معاشرے میں اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے اور پھر جرم کی دنیا کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے جائز' ناجائز یا غلط' صحیح کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہیں سے عدم برداشت کا آغاز ہوتا ہے' جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

مذہب سے دوری:

عدم برداشت کی ایک بڑی وجہ مذہب سے دوری ہے۔ اسلام رواداری' باہمی محبت اور سیدھے راستے پر چلنے کا درس دیتا ہے۔ وہ لوگ جو دین کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں' برائی کا راستہ اپنا لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت اور قیمت نہیں رہتی۔ نتیجتاً ان کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں نہ کسی کی عزت محفوظ رہتی ہے اور نہ زندگی۔ اس طرح وہ عدم برداشت کے مرض میں مبتلا ہو کر ٹارگٹ کلنگ' بھتہ خوری' لوٹ مار اور ڈاکہ زنی جیسی گھناؤنی وارداتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

فرقہ واریت:

عدم برداشت کی ایک بنیادی وجہ فرقہ واریت ہے۔ کچھ فرقے اور مدارس ایسے ہیں' جو باضابطہ طور پر معاشرے میں فرقہ واریت کی تربیت دیتے ہیں۔ حال ہی میں نیشنل ایکشن پلان کے حوالے سے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف صوبہ پنجاب میں 13 ہزار سے زائد مدارس موجود ہیں' جن میں سے 306 مدارس شدت پسندی میں براہِ راست یا سہولت کار کے طور پر ملوث ہیں۔ فرقہ واریت اور شدت پسندی سے برداشت کا کلچر تباہ ہو جاتا ہے۔ دہشتگردی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے' جس کے نتیجہ میں مساجد' امام بارگاہوں اور تعلیمی مراکز میں بے گناہ اور معصوم شہریوں کا خون بہایا جاتا ہے۔

انصاف کی عدم فراہمی:

جب کسی مظلوم کو انصاف نہیں ملتا اور ظلم اس کے سامنے آزادی سے پھرتا ہے تو مظلوم انتقام کی آگ میں تمام قانونی اور اخلاقی پابندیوں کو پاؤں کے نیچے روند ڈالتا ہے۔ انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ سزا کا مقصد مجرم کی اخلاقی تربیت اور اصلاح ہونی چاہیے۔ محض سزائیں دے کر مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ معاشروں میں جیلوں میں ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ مجرم جب سزا کاٹ کر باہر آئے تو وہ معاشرے کا مفید رکن بن کر اپنی باقی زندگی گزار سکے۔ وگرنہ یہی سزا یافتہ مجرم قانونی اور اخلاقی پابندیوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور معاشرے میں عدم برداشت کے جذبوں کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔

معاشرے میں عدم برداشت کی روک تھام:

بلا شبہ تمام مسائل کا حل ہوتا ہے، کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو لاینحل ہو۔ اس لحاظ سے عدم برداشت کے رجحان پر بھی قابو پانا ممکن ہے، لیکن یہ کسی ایک کے کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے اجتماعی کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر مکتبۂ فکر کے افراد کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ شدت پسندی اور عدم برداشت کا کلچر ختم کرنے کے لیے بنیادی چیز افراد کو علم کے زیور سے آراستہ کرنا اور معاشرے سے جہالت کے اندھیروں کو ختم کرنا ہے۔ نظامِ تعلیم کو بنانے کے لیے نصاب میں تبدیلی کی جائے، جو نئی نسل کو ایک مثبت سمت سے روشناس کروائے، جس سے ان کی اصلاح ہو سکے۔ اس کی عملی صورت جاپان میں موجود ہے۔ جاپان میں پرائمری سطح تک تعلیمی نصاب میں اچھائی، برائی اور کرپشن کے خاتمے کے حوالے سے تربیت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ترقی پذیر ممالک اور بالخصوص پاکستان جیسے ممالک، جہاں عوام کی اکثریت جذبات کی لہر میں بہ کر بہت سارے جرائم کا ارتکاب بھی کر جاتی ہے، اس کو مدارس، تعلیمی درس گاہوں، ماں کی آغوش، گھر کے ماحول اور مختلف دفاتر میں قوتِ برداشت کو مضبوط کرنے کا درس دینے اور اس کی عملی بنیادوں پر پریکٹس کروانے کی ضرورت ہے۔ آج کل میڈیا اور فلاحی تنظیمیں معاشرے میں نہایت مؤثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں عدم برداشت کا جذبہ ختم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ عدم برداشت کی روک تھام میں حکومت نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ غربت، بے روزگاری، مہنگائی اور فرقہ واریت کے خاتمہ کے لیے ٹھوس اقدام اٹھائے۔ معاشرے میں انصاف کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ عدم برداشت اور شدت پسندی کو ختم کرنے کے لیے سخت قوانین بنائے اور انھیں عملی طور پر لاگو کرے۔ قائدِ اعظمؒ نے 11 اگست 1947ء کو مجلسِ قانون ساز کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ: "ہم آج اس اصول کے ساتھ شروعات کر رہے ہیں کہ ہم تمام مذاہب کے لوگ ایک ہی ملک کے لوگ اور سب برابر کے شہری ہیں۔" اس اصول کو اپنائے بغیر ہم عدم برداشت اور شدت پسندی سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

سوال :7- دوست کے نام خط لکھ کر ہاسٹل کی زندگی کی مشکلات سے آگاہ کیجیے۔ (10)

جواب : کمرۂ امتحان

5 نومبر 2020ء

میرے پیارے دوست جاوید علی!

السلام علیکم! اس مرتبہ آپ نے بہت دن انتظار کرایا۔ کل آپ کا خط ملا جسے پا کر بہت خوشی ہوئی۔ اگر آج کل میں آپ کا خط نہ آتا تو میری پریشانی میں اضافہ ہوتا، کیوں کہ اب میری تشویش بڑھتی جا رہی تھی کہ اللہ خیر کرے پہلے تو خط لکھنے میں اتنی تاخیر کبھی نہیں ہوئی۔

آپ نے میری تعلیم اور ہاسٹل کی زندگی کے بارے میں پوچھا۔ تعلیم کا سلسلہ بہت اچھا چل رہا ہے۔ اساتذہ بہت تعلیم یافتہ، قابل اور شفیق ہیں۔ میں بھی تعلیم پر مکمل توجہ دے رہا ہوں۔ البتہ ہاسٹل کی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ظاہری طور پر کالج ہاسٹل کی زندگی اتنی دلکش اور دلفریب ہے کہ اس کے لیے سب کا جی للچاتا ہے۔ ہاسٹل کی زندگی مکمل آزادی کی زندگی ہے۔ جو چاہو کرو کوئی ممانعت نہیں۔ قہقہے لگاؤ، دوستوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھو اور گپیں لگاؤ۔ کامن روم میں بیٹھ کر شطرنج، ٹیبل ٹینس، تاش یا کیرم کھیلو۔ ہاسٹل کی زندگی کی مشکلات کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عملاً ہاسٹل میں رہتا ہے۔ ہاسٹل اور گھر کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہاسٹل میں انسان کے لیے سب سے بڑی مشکل تنہا نشینی ہے۔ تنہا نشینی اور گھر سے دور ہونے کے باعث حزن وملال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دوسری بڑی مشکل کھانے کی ہے، جو کبھی بھی گھر کے کھانے جیسا نہیں ہوتا۔ تیسرا یہ کہ گھر کی پابندیوں سے نکل کر جب کوئی اتنی آزادی میں آتا ہے تو اس کے بے راہ روی اختیار کرنے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ لڑکے ماں باپ کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں تو آوارہ گردی اور بیہودگی اختیار کرتے ہیں اور ہاسٹل میں آکر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

ہاسٹل میں کچھ ایسے لڑکے بھی رہتے ہیں جن کی وابستگیاں سیاسی گروہوں سے ہیں۔ پہلے وہ پیار سے اپنے گروہ میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر انکار کر دیا جائے تو سخت رویہ اپناتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے پاس تو اسلحہ بھی موجود ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے باعث ہاسٹل میں خوف کی فضا قائم رہتی ہے۔

ان تمام تر مشکلات کے باوجود میں ہاسٹل میں اس اُمید پر رہ رہا ہوں کہ کسی طرح اپنا مستقبل اچھا بنا لوں اور ماں باپ کی بہتر طریقے سے خدمت کر سکوں۔

باقی سب خیریت ہے۔ میری طرف سے اپنے والدین اور بھائی بہنوں کی خدمت میں سلام کہنا۔ اُمید ہے عنقریب سردیوں کی چھٹیوں میں ملاقات ہوگی۔

اللہ حافظ

تمھارا دوست

ا۔ب۔ج